اولی حیدرآباد

محمد صلاح الدین عمری

ریشمی رومال کی تحریک

جہادِ حق و باطل کی جنگ کا ہی دوسرا نام ہے، جس کو اسلام کا ایک اہم رکن قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اسلامی تعلیمات میں محض فساد برپا کر کے اقوام کو مغلوب کرنے، مال و دولت پر غاصبانہ قبضہ کرنے، دین کو زبردستی تھوپنے اور توسیعِ سلطنت کی غرض سے جنگ کرنے کی سخت مخالفت کی گئی ہے۔ جہاد کا مقصد سوسائٹی سے باطل نظریات اور اخلاقی اعمال و افعال کا خاتمہ کر کے اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت اور آزادانہ فضا پیدا کرنا ہے۔ جس کے لیے اسلامی سنت پہلے تبلیغ و دعوت ہی کی نشاندہی کرتی ہے۔ ہاں اگر تمام تدابیر ناکام ہو جائیں، معاشرہ اخلاقی پستیوں کے دلدل میں پھنستا چلا جائے اور عام زندگی ظلم و عدوان کی چکی میں پسنے لگے، حتیٰ کہ معاشرہ کی اصلاح کیلیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہ جائے کہ اس کی برائیوں کو بزور طاقت سے جنگ ناگزیر ہو جاتی ہے۔

چنانچہ غلام ہندوستان میں انگریزوں کے جبر و تشدد اور غاصبانہ تسلط کے خلاف جو مختلف تحریکیں اٹھیں، ان کا اگر بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو ان سب تحریکوں کے تانے بانے ترتیب دینے والے کچھ ایسے ہی حق پرست سرپھرے نظر آتے ہیں، جن کی نظروں میں دنیاوی جاہ و جلال ہیچ تھا۔ سب سے پہلے، اس تحریک کے سرخیل شاہ ولی اللہ دہلوی کا دور دیکھیے جو اس تحریک کا نقطۂ آغاز ہے۔ ان کی نظروں میں اکبر سے عالمگیر تک کا شاندار اور پر وقار دور بھی تھا۔ اور پھر اس عظیم الشان سلطنت کی زوال پذیری بھی انہوں نے دیکھی تھی چنانچہ ماضی اور حال کے آئینہ میں انہوں نے تجدیدِ دین کی کوششیں کرتے ہوئے خود کو بہتر مستقبل کی تعمیر کے لیے وقف کر دیا۔ شاہ ولی اللہ کے بعد ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیزؒ نے تحریک عوامی سطح پر پیش کر کے ہندوستان کے باشعور طبقہ کو یوروپی تسلط کے خلاف احتجاجی آوازیں بلند کرنے پر آمادہ کر دیا۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، مولانا عبدالحئیؒ اور

سید احمد شہید نے اس تحریک کو زندہ رکھنے کے لیے انگریزوں کے خلاف علی الاعلان علم بغاوت بلند کر دیا۔ ۱۸۵۷ء کی مشہور بغاوت سید احمدؒ اور ان کے رفقاء کی ہی تحریک کا نتیجہ تھی۔ بالاکوٹ کے دلدوز واقعہ سے اس تحریک کی لو ٹمٹماتی نظر آنے لگی کہ امام اسحاق اور حاجی امداد اللہؒ نے پھونکیں مار مار کر اس کو بھڑکا دیا۔ تحریک خلافت یا ترکِ موالات اور ریشمی رومال تحریک بھی اس ابتدائی انقلابی تحریک کی کڑیاں ہیں۔ غرض کہ ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط سے لیکر سنہ ۱۹۴۷ء تک حریت پسندوں نے کبھی بھی چین کا سانس نہ لیا۔ ان سبھی تحریکات میں مسلم علماء کا خاصا رول رہا ہے۔ انہوں نے ابتداء ہی سے آزادیٔ وطن کی جدوجہد شروع کر دی تھی۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ مسلم علماء نے جنگ آزادی کی منظم کوشش شروع ہونے سے بہت پہلے ہی آزادی کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا تھا تو غلط نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزوں نے اتحادِ اسلامی کے پرخچے اڑانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلم عوام ہی انگریزوں کے عتاب کا نشانہ بنے۔ انہوں نے حریت پسندی کو بری طرح کچل دیا۔ لیکن دلوں پر کون حکومت کر سکا ہے؟ وطنیت پرستی کی بنیادیں آہستہ آہستہ مضبوط ہوتی گئیں اور حریت پسندی کا بھی شعور جب پختہ ہو گیا تو گاہے بگاہے اس کے مظاہرے بھی ہونے لگے۔ درحقیقت انگریزوں کے تسلط نے وطنیت پرستی کو اتنی ہوا نہیں دی جتنی کہ ان کے جبر و استبداد اور اس تحریک کو کچلنے کی کوششوں نے اس کی جڑوں کو مضبوط کیا۔

بہرحال سنہ ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں کے بعد جب مسلم تہذیب کا جنازہ نکل گیا اور مسلم عوام زبوں حالی کا شکار ہو کر اندھیریوں میں بھٹکنے لگے اور ان کے اپنے مدارس تک کو تہس نہس کر دیا گیا۔ تو سنہ ۱۸۶۷ء میں حاجی سید عابد حسین کی سربراہی میں دار العلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔ (ایسے) مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے لکھا ہے کہ مدرسہ دیوبند مولانا قاسم نانوتویؒ نے سنہ ۱۸۵۷ء میں قائم کیا تھا (برہان ص ۶، دسمبر سنہ ۱۹۴۸ء) جس کے سب سے پہلے مدرس ملا محمود ۲ اور پہلے طالب علم بھی (شیخ الہند) محمود تھے۔ اس مدرسہ کا قیام کا مقصد صرف تعلیم ہی نہیں بلکہ ایسے افراد تیار کرنا تھا جو فکری آزادی کیساتھ ملک و ملت کے کھوئے ہوئے وقار کو واپس دلا سکیں۔ اس مدرسہ کے بانیین کی جماعت ترکِ موالات کی حامی تھی۔ اور مولانا قاسم نانوتویؒ کی سربراہی میں کام کر رہی تھی۔ ایک اور جماعت اس وقت سر سیدؒ کی تھی جس نے علی گڑھ کے اسکول کی بنیاد رکھی۔ موالات اور ترک

موالات کے علاوہ ان دونوں فرقوں میں جہاد کے مسئلہ پر بھی اختلاف تھا۔ انھیں اختلافات کے اثرات ۱۹۰۹ء میں دیوبند کے جلسہ دستار بندی کے عظیم الشان جلسہ کے موقع پر جمعیۃ الانصار کی تشکیل ہوئی اور جس کا پہلا اجلاس ۱۹۱۱ء میں مراد آباد میں ہوا۔ اس جمعیۃ الانصار نے بعد میں جمعیۃ العلماء کی شکل اختیار کر لی۔ اور علی گڑھ اسکول سے مسلم لیگ نے جنم لیا۔ پھر آہستہ آہستہ ان دونوں اسکولوں نے اپنے اپنے موقف پر نمایاں ترقی کی۔ خصوصی طور سے دارالعلوم دیوبند کے افراد نے متعدد سیاسی اور علمی تحریکات میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ صاحب زادہ آفتاب احمد خان اور مولانا محمود الحسن صاحب کی مشترکہ کوششوں سے علی گڑھ کالج اور دارالعلوم دیوبند کو آپسی گفت و شنید کے بعد ایک دوسرے کے قریب آنے کا موقع ملا۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب (جو مولانا رشید احمد گنگوہی کی گرفتاری، مولانا قاسم نانوتوی کی روپوشی، حاجی امداد اللہ کی ہجرت اور سید احمد شہید کی شہادت کے لرزہ خیز واقعات سے بہت متاثر تھے) نے اس انقلابی تحریک کی زمام اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اس کو ہمہ گیر تحریک کی شکل کے لیے سب سے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ ۱۹۰۹ء میں دارالعلوم دیوبند کے جلسۂ دستار بندی کا اعلان کر دیا، اور اس جلسہ میں تبادلۂ خیال کے بعد جمعیۃ الانصار کی تشکیل کر کے اپنے ایک نو مسلم لائق شاگرد مولانا عبید اللہ سندھی کو اس کا سکریٹری منتخب کیا اس طرح شیخ الہند نے اپنی حکمتِ عملی اور سوجھ بوجھ سے اس تحریک کو ایک نیا رُخ دیدیا جس کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ انقلابی تحریک (جسکو انگریزوں نے ریشمی رومال تحریک کا نام دیا ہے) پہلی تحریک تھی جس نے برطانوی حکومت کا تختہ الٹ دینے کے منصوبے بنائے تھے۔ ملک میں عام بیداری پیدا کرنے کے علاوہ انہوں نے بیرونی طاقتوں سے امداد لینے کے بھی منصوبے بنائے اور خفیہ طور سے ایسی جماعت تیار کرتے رہے جو انقلاب کی راہ میں اپنی جانوں تک کی قربانی دیدیں۔ آج بعض ہمارے بھائی سمجھتے ہیں کہ انڈین نیشنل کانگریس نے سب سے پہلے ملک کو آزاد کرانے میں منظم آواز اٹھائی تھی لیکن تاریخ گواہ ہے کہ ملک کو غیر ملکی اقتدار سے نجات دلانے کا سب سے پہلا مبارک کام شاہ عبدالعزیز سید احمد شہید اور اس کے بعد شیخ الہند کا رہین منت ہے۔ انڈین نیشنل کانگریس (جو ۱۸۸۵ء میں قائم ہوئی) کے اولین مقاصد میں تمام ہندوستانی اقوام کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا، اپنے حقوق کی بازیافت کی کوششیں اور حاکم و محکوم کے درمیان خوشگوار تعلقات

کا قیام تھا۔ نہ کہ انگریزوں سے ملک واپس لینا۔

اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے شاید ان کی سب سے پہلی نظر انتخاب مولانا عبید اللہ سندھی پر پڑی جو اس وقت نظارۃ المعارف دہلی میں تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے۔ جب شیخ الہند نے دہلی پہونچکر مولانا سندھی سے ملاقات کی اور فرمایا کہ جب تک تم اپنی تعلیم اور اس مدرسہ سے دس بیس آدمی صحیح الخیال مسلمان بناؤ گے اس مدت میں انگریز ہزاروں کو ملحد اور زندیق بنادیں گے۔[۵۳] تو مولانا سندھی نے شیخ الہند کی اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ہر قسم کے خطرات سے نبرد آزما ہونے کا عہد کرلیا۔ مولانا سندھی کے علاوہ سید حسین احمد مدنی، مولانا محمد میاں منصور انصاری وغیرہ جیسے عزم و حوصلہ کے مالک افراد نے بھی شیخ الہند کے سیاسی پروگراموں کے لیے اپنی زندگیاں وقف کردیں[۵۴] دہلی میں آہستہ آہستہ ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور مولانا ابو الکلام آزاد وغیرہ ان کے ہم خیال ہوتے گئے .... پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی لکھتے ہیں کہ اس تحریک (تحریک خلافت) کے سب سے بڑے لیڈر مولانا محمد علی، شوکت علی تھے تحریک خلافت چونکہ علماء کے زیر قیادت پیدا ہوئی، اس بناء پر اس تحریک میں ایک عام مذہبیت اور دینداری کا رنگ تھا اور یہی وجہ ہے کہ اس تحریک میں شریک ہوتے ہی مسٹر محمد علی اور مسٹر شوکت علی جو علی گڑھ کے نمایاں اور لائق صد فخر فرزند تھے۔ یک بیک مولانا محمد علی شوکت علی بن گئے۔[۵۵] پہلے تو شیخ الہند نے مولانا سندھی کو فرنٹیر، یاغستان اور سندھ وغیرہ بھیج کر وہاں کے لوگوں سے تعلقات قائم کیے[۵۶] شیخ الہند کی تحریکی سرگرمیاں اندرون اور بیرون ہند دونوں جگہ جاری تھیں جنگ عظیم کے دوران سرگرمیوں کو موقع کی مناسبت سے پھیلایا گیا۔ اور ہندوستان میں داخلی بغاوت اور اس پر خارجی حملہ کرکے انگریزوں کو یہاں سے نکالنے کی تدابیر سوچی گئیں، اس مقصد سے کابل میں ایک مرکز قائم کرنے کی غرض سے مولانا سندھی کو کابل روانہ کیا۔ لیکن مولانا سندھی کو شیخ الہند نے اپنی بیرونی سرگرمیوں کی تفصیلات سے آگاہ نہیں کیا تھا چنانچہ مولانا سندھی لکھتے ہیں کہ، کابل جاکر مجھے معلوم ہوا کہ شیخ الہند جیسی جماعت کے نمائندہ تھے۔ اس کی پچاس سال کی محنتوں کا حاصل میرے سامنے غیر منظم شکل میں تعمیل حکم کے لیے تیار ہے[۵۷] اس کے علاوہ بیرون ہند دیگر ممالک میں رائے عامہ کو عالمی سطح پر ہموار کرنے

کے لیے شیخ الہند نے جو وفود بھیجے۔ ان کا مقصد بھی ان سب ممالک کو ہندوستان کی آزادی کا حامی بنانا اور ترکی کو مدد دینا تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ایک وفد ۱۹۰۵ء میں مولانا مقبول الرحمان سرحدی اور شوکت علی کی سرکردگی میں چین اور برما پہونچا۔ ایک پنج نفری وفد پروفیسر برکت اللہ بھوپالی کی قیادت میں جاپان گیا۔ جہاں انہوں نے ایک جماعت THE ISLAMIC FRA-TERNITY بنائی۔ چودھری رحمت علی پنجابی کی قیادت میں ایک مشن فرانس بھیجا گیا۔ ہردیال کی قیادت میں ایک وفد امریکہ پہونچا۔ مولانا سندھی کو کابل روانہ کرنے کے بعد شیخ الہند خود ترکی جانا چاہتے تھے۔ ادھر مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی اور مولانا ظفر علی خان کی گرفتاریاں بھی عمل میں آچکی تھیں اور اس بات کا قوی امکان تھا کہ شیخ الہند بھی گرفتار کر لیے جائیں۔ اس لیے شیخ الہند محض یہ سوچکر کہ میں اگر گرفتار ہوگیا تو مجاہدین یاغستان کی امداد کا کام بھی موقوف ہو جائیگا، ۱۹۱۵ء میں مع اپنے چند ساتھیوں کے عازم حجاز ہوگئے۔ مکہ میں آپ نے حجاز کے گورنر غالب پاشا سے ملاقات کر کے اپنا مدعا بیان کیا۔ اس نے آپکی تائید کرتے ہوئے تاکید کی کہ آپ ہندوستان کو مکمل آزادی کے مطالبہ کے لیے تیار کریں۔ غالب پاشا سے شیخ الہند نے تین تحریریں بھی لے لیں۔ جن میں ایک تحریر ہندوستانی مسلمانوں کے نام تھی۔ جو غالب نامہ کے نام سے مشہور ہوئی اور جو مولانا محمد میاں کے ذریعہ یاغستان اور کابل پہونچی۔ دوسری تحریر مدینہ کے گورنر بصری پاشا کے نام تھی کہ شیخ الہند کو پوری عزت و احترام کے ساتھ استنبول پہونچا دیا جائے۔ تیسری تحریر انور پاشا کے نام سفارشی خط تھا کہ ان کے مطالبات پورے کیے جائیں۔ مدینہ پہنچ کر شیخ الہند کی ملاقات ترکی کے وزیر جنگ انور پاشا اور شام کے گورنر جمال پاشا سے ملاقات ہوئی۔ جمال پاشا نے بھی وہی ہدایت کی جو غالب پاشا کر چکا تھا۔ انور پاشا نے وعدہ کیا کہ وہ شام سے آپ کی حسب خواہش ترکی عربی فارسی میں ایسی تحریریں بھیجدیگا جو شائع کر کے تقسیم کی جاسکیں۔ شیخ الہند نے افغانستان تک پہونچانے کی خواہش کا اظہار کیا لیکن اس نے ایران میں روسی افواج کے داخل ہو جانے کی وجہ سے افغانستان کی راہیں مسدود ہو جانے کا تذکرہ کر کے معذوری کا اظہار کیا اور کہا کہ آپ یہیں حجاز یا ترکی کے علاقہ میں قیام کریں۔ دو تین روز کے بعد انور پاشا کی تحریریں بھی شیخ الہند کو مل گئیں۔ جن میں مولانا شیخ الہند کی آزادی ملک کی تحریک میں تعاون دینے کا وعدہ اور

ترکی قلمرو کے تمام ملازمین اور رعیت کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ شیخ الہند کی بھرپور امداد کریں۔ انہیں تحریروں کے مطابق انقلاب کے لیے ۱۹ر فروری ۱۹۱۷ء کی تاریخ مقرر کی گئی تھی[۵] مختلف روایا کو سامنے رکھتے ہوئے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انور پاشا نے بھی تین تحریریں بھیجی تھیں۔ ایک میں ترکی اور انقلابی کونسل کے درمیان معاہدہ تھا۔ دوسری میں ترکی اور افغان حکومتوں کے درمیان معاہدہ تھا اور جس میں ترکی حکومت کی طرف سے معاہدہ کو آخری شکل دیدی گئی تھی اور اب افغان حکومت کی منظوری مطلوب تھی تاکہ ترکی حکومت حملہ کے لیے تیار ہو جائے اور تیسری تحریریں قوم سے اپیل تھی کہ وہ شیخ الہند کو بھرپور تعاون دے .... شیخ الہند نے ان تحریروں کو تمام مقامات و مراکز پر بھیجنے کے لیے لکڑی کا ایک صندوق بنوایا اور اسکے نچلے تختہ کو درمیان سے کھود کر اندر یہ تحریریں رکھ کر تختوں اس طرح فٹ کر دیا کہ ظاہر نہ ہو۔ ساتھ ہی اس صندوق میں کچھ کپڑے اور شامی تھان بھی رکھ دیے گئے تھے۔ مولانا ہادی حسن صاحب اور حاجی شاہ بخش صاحب کو اس ہدایت کے ساتھ یہ صندوق دیکر روانہ کیا گیا کہ وہ ان کاغذات کو حاجی نورالحسن صاحب تک پہنچادیں اور نورالحسن صاحب، احمد مرزا صاحب کے ذریعہ اس کی فوٹو کاپیاں کرواکر مختلف مقامات پر بھیج دیں۔ بمبئی پولیس کو شیخ الہند کی آمد کی اطلاع مل تھی اس لیے وہ انہیں کی تلاش میں رہی اور تحریک کے ایک کارکن صندوق لے کر باہر آئے جس کو انہوں نے مولانا محمد نبی صاحب کے نام مظفر نگر روانہ کر دیا۔ شیخ الہند کو نہ پاکر مولانا ہادی حسن صاحب اور خلیل احمد کو پولیس نے حراست میں لے لیا خفیہ پولیس نے مولانا محمد نبی صاحب کے گھر جس وقت چھاپہ مارا وہ انہی کاغذات کو نکال رہے تھے، پولیس کو دیکھتے ہی انہوں نے اپنی صدری کی جیب میں کاغذات رکھکر سامنے ہی ٹانگ دی، پولیس کو جب یہاں کچھ نہ ملا تو وہ حاجی نورالحسن کے گھر پہونچی وہاں بھی اس کو کوئی سراغ نہ مل سکا۔ آخر کار پولیس دہلی میں احمد مرزا کی دوکان پر پہونچی، اتفاق سے اسی وقت نورالحسن صاحب وہ تحریر لیکر فوٹو کاپیاں کرانے ان کی دوکان جارہے تھے لیکن پولیس کو دیکھکر واپس آگئے۔ پولیس کے واپس جانے کے بعد وہ تحریریں لیکر پہونچے۔ احمد مرزا نے فوٹو لے کر ان کو طشت میں ڈالا ہی تھا کہ پولیس پھر پہنچ گئی، لیکن حیرت انگیز بات ہے کہ وہ کچھ بھی برآمد کرنے میں

ناکام رہی۔ بہرحال تمام فوٹو کاپیاں متعلقہ افراد تک پہنچا دی گئیں۔ انور پاشا کی وہ تحریر جس میں افغان اور ترک حکومت کے درمیان معاہدہ تھا، اسے مولانا ہادی صاحب رہائی کے بعد خود افغانستان لیکر پہنچے اس تحریر کو دیکھکر امیر حبیب اللہ خان نے اراکین سلطنت کی میٹنگ کی جس میں بحث و مباحثہ کے بعد یہ طے پایا کہ ترکی حکومت چند مقررہ راستوں سے حملہ کرے اور ہم انگریزوں سے یہ کہہ کر اپنی برأت ظاہر کریں گے کہ قبائل بغاوت پر آمادہ ہیں، اور حکومت بظاہر جنگ میں شریک نہ ہوگی لیکن عوام پر کسی قسم کی پابندی بھی نہیں لگائے گی۔ مولانا سندھی اور نصراللہ خان نے اس مجوزہ اسکیم کی تفصیلی اطلاع دینے کے لیے شیخ الہند کو وہ ریشمی خط لکھا جس کے نام سے اس انقلابی تحریک کا نام ہی ریشمی رومال تحریک پڑگیا......... اس ریشمی خط کی تفصیل مولانا مدنی اس طرح بتاتے ہیں کہ:

"حضرت سندھی اور نصراللہ خان نے مل کر ایک ماہر کاریگر سے ایک ریشمی رومال اس طرح بنوایا کہ اسکی بناوٹ میں معاہدہ کی پوری عبارت اور تاریخ حملہ کی منظوری کی عبارت بھی بُن دی گئی۔ یہ عبارت عربی زبان میں تھی، اور دستخط حبیب اللہ اور اس کے تینوں بیٹے امان اللہ خان، نصراللہ خان، عنایت اللہ خان کے ایک دفعہ تو بننے میں آگئے تھے پھر رومال کے اوپر ان چاروں کے دستخط زرد رنگ کی روشنائی سے کرا دیے گئے۔ یہ رومال بھی زرد تھا جس کی لمبائی ایک گز اور عرض بھی اتنا ہی تھا۔[۹]"

یہ خطوط جن میں ایک خط مولانا سندھی نے شیخ عبدالرحیم کو لکھا تھا اور دو خط شیخ الہند کے نام تھے۔ ایک مولانا سندھی کا جس میں یہ اطلاع تھی کہ حکومتِ موقتہ کا افغان حکومت سے معاہدہ ہوگیا ہے، باقی حکومتوں کے پاس بھی سفارشات بھیجی جارہی ہیں۔ حکومت ترکی سے بھی اس سلسلہ میں رابطہ قائم کرنا ہے پھر شیخ الہند سے حکومتوں سے رابطہ قائم کرا کر معاہدہ کرانے میں معاونت کی خواستگاری کی گئی تھی تیسرا خط جو مولانا محمد میاں کا شیخ الہند کے نام تھا، اس میں غالب نامہ کی تقسیم کی رپورٹ وغیرہ تھی۔ یہ تینوں ہی خط انڈیا آفس لائبریری لندن کے پولیٹکل اور سیکریٹ شعبہ میں من وعن محفوظ ہیں۔[۱۰] اگرچہ رولٹ رپورٹ میں صرف اتنا لکھا

گیا ہے کہ یہ خطوط صاف ستھرے پیلے ریشم پر لکھے گئے تھے۔[۱۱]

یہ خطوط ایک نومسلم طالب علم عبدالحق کو دیکر یہ ہدایت کی گئی کہ وہ شیخ عبدالرحیم سندھی تک پہونچادے تاکہ وہ حج کے موقعہ پر شیخ الہند تک پہونچادیں۔ لیکن بدقسمتی سے شیخ الہند تک پہونچنے سے پہلے ہی اس راز کا افشا ہو گیا۔ کیسے ہوا؟ اس کے بارے میں مختلف روایات ہیں:

مولانا سندھی نے لکھا ہے کہ عبدالحق نے یہ خط اللہ نواز خان (جن کا وہ ملازم تھا) کے والد حق نواز خان کو دیے اور انہوں نے سر مائیکل اوڈوائر تک پہونچادیے۔[۱۲]

مولانا حسین احمد مدنی کا بیان ہے کہ عبدالحق ایک معتمد علیہ تحریک کے رکن تھے اور افغانستان و ہندوستان میں کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے انہوں نے اس رومال کے ساتھ پانچ رومال اور رکھ لیے تھے۔ ان کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اس خط کو عبدالرحیم کو دیں اور اگر بالفرض کوئی خطرہ ہو تو حق نواز خان کو دیدیں چنانچہ راستہ کی بار بار کی تلاشی سے تنگ آکر انہوں نے یہ رومال حق نواز خاں کے حوالہ کر کے ساری ہدایات دیدیں۔ انہوں نے یہ رومال دوسرے روز دین پور کے سجادہ نشین خواجہ غلام محمد کے پاس پہنچادیا خواجہ صاحب نے اسی روز بارہ بجے سندھ روانہ کر دیا جو دوسرے دن ظہر کے وقت شیخ عبدالرحیم تک پہنچ گیا۔ اسی درمیان حق نواز خان اور خواجہ صاحب کے گھر پر پولیس نے چھاپے مارے اور ان دونوں کو گرفتار کر لیا، ان پر سختیاں بھی ہوئیں لیکن انھوں نے کوئی راز اگل کر نہ دیا۔ شیخ عبدالرحیم فساد کے وقت، رومال لے کر نکلنے ہی والے تھے کہ پولیس نے مکان کا محاصرہ کر کے رومال اپنے قبضہ میں لے لیا۔ البتہ شیخ صاحب فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔[۱۳]

ظفر صاحب عبدالحق کو بھی مشکوک قرار دیتے ہوئے حق نواز خان اور اللہ نواز خاں کے بھائی شاہنواز خاں کو بھی شک کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ لیکن مولانا مدنی عبدالحق اور حقنواز کو بری قرار دیتے ہوئے امیر حبیب اللہ خان صاحب کو موردِ الزام گردانتے ہیں کہ:

"وہ یہ سب خبریں اور ان کے مقامات کے پتے اور ریشمی رومال

کی پوری تفصیل امیر حبیب اللہ خان صاحب نے حکومت برطانیہ کو بتادی تھی۔"[۱۴]

ابراہیم فکری صاحب نے اپنے مضمون میں عبدالحق اور نواز خان کو ہی مشکوک قرار دیا ہے۔[۱۵]

پیغام رسانی کا یہ طریقہ کس کی ایجاد تھی؟ اس سلسلہ میں شیخ الہند کے نواسے مولوی ہارون صاحب کی روایت ہے کہ یہ طریقہ اس سے پہلے شیخ الہند نے ہی اختیار فرمایا تھا۔ اور ریشمی رومال، کسی شخص کے معتمد علیہ ہونے پر دلالت کرتا تھا۔ اس کی نوعیت یہ ہوتی تھی کہ رومال میں سے کچھ تار اس طرح نکال دیے جاتے کہ رومال پر آپ کے دستخط ابھر آتے تھے۔[۱۶] عزیز الرحمان نے تذکرۂ مشائخ دیوبند میں لکھا ہے کہ ایک بوڑھے شخص حضرت شیخ الہند کے پاس آتے تھے جو کاغذ پر پھول بہت عمدہ بناتے تھے۔ چنانچہ وہ کاغذ کے جو گلدستے بناتے ان میں دیوبند سے جاری شدہ ہدایات کا خط لکھا ہوتا تھا۔ یہ گلدستے پشاور میں کابل سے آئے ہوئے تحریک کے رکن تاجروں کے ہاتھ فروخت کیے جاتے اور اسطرح وہ خطوط عبیداللہ تک پہنچ جاتے۔ اسی طرح دیوبند کے قریب کسی گاؤں میں رہنے والے ایک بزرگ کے ذریعہ شیخ الہند نے سرحد ایک خط لے کر بھیجا تھا اور پیدل سفر کرنے کی ہدایت کی تھی۔ ان کو ایک تلوار بھی دی تھی۔ غرض کہ مختلف اوقات میں، مختلف ذرائع سے ہدایات دی گئیں۔ مگر انگریزوں کے ہاتھ وہ ریشمی رومال والی بات لگ گئی۔[۱۷]

.... تحریک کے ایک رکن بادشاہ خاں کا بیان ہے کہ "رومال پر بیل بوٹوں کی شکل میں عبارت بن دی گئی تھی"۔[۱۸] تقریباً یہی بیان مولانا محمد اسحٰق گیادی کا ہے کہ رومال پر ریشم سے حروف لکھے جاتے تھے۔[۱۹]

بہرحال یہ ریشمی رومال انگریزوں کے ہاتھ لگتے ہی ۱۹ فروری سے قبل ہی تمام انقلابی لیڈروں کو گرفتار کرلیا گیا[۲۰] اور امیر حبیب اللہ خان پر زور ڈالا گیا کہ مولانا سندھی اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کرادیں لیکن نصراللہ خان اور امان اللہ خان کو مداخلت کی وجہ سے حبیب اللہ خان ان کو

گرفتار کرانے میں ناکام رہے۔ مولانا محمد میاں نے کابل چھوڑ کر یاغستان میں سکونت اختیار کر لی اور مولانا سندھی کو ۱۹۱۷ء میں ایک مکان میں نظربند کر دیا گیا جہاں وہ امیر حبیب اللہ خاں کے قتل تک قید رہے۔[۲]

ادھر شریف حسین نے انگریزوں سے سازش کر کے ترکوں کے خلاف غداری کا علم بلند کر دیا اور اپنے مصاحب علمائے سے ترکوں کے خلاف ایک فتویٰ لکھوا کر شیخ الہند سے بھی دستخط کرانے چاہے لیکن جب شیخ الہند نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا تو برطانوی نمائندہ کرنل ولسن کے اشارہ پر مولانا محمود الحسن (شیخ الہند) کو گرفتار کرنے کے احکامات صادر کر دیئے لیکن مفتی عبداللہ سراج کے ذریعہ سے معاملہ رفع دفع ہو گیا پھر کچھ عرصہ کے بعد ۱۹۱۷ء میں ان پر انگریز دشمنی کا الزام لگا کر مع ان کے رفقاء کے گرفتار کر کے جدہ بھیج دیا گیا۔ جدہ سے انگریز ان کو مصر لے گئے پھر مالٹا میں نظربند کر دیا اور تقریباً ساڑھے تین سال بعد ۸، جون ۱۹۲۰ء کو بمبئی لا کر رہا کر دیا گیا۔

اس طرح ہندوستان میں ریشمی رومال کا راز افشا ہونے اور حجاز میں شیخ الہند کی گرفتاری کے بعد انقلابی تحریک کا وہ منصوبہ جو شیخ الہند اور ان کے رفقاء نے بنایا تھا۔ ناکام ہو گیا۔ لیکن جلد ہی ہم دیکھتے ہیں کہ یہ انقلابی تحریک پھر تحریک ہجرت کی شکل میں ابھری جس سے اگرچہ مسلمانوں کو نفع سے زیادہ نقصان ہی اٹھانا پڑا۔ آخر میں یہی تحریک اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ تحریک خلافت اور تحریک ترک مولات کی شکل میں ابھری اور ہندوستان کو انگریزوں کے قبضہ سے آزاد کرا کر ہی دم لیا۔

شیخ الہند کی اس انقلابی تحریک کا دائرہ صرف ہندوستان تک محدود نہیں تھا بلکہ اس کا مقصد تو بین الاقوامی سطح پر یورپی جبر و استبداد کے زور کو توڑ کر مشرق کو نجات دلانا تھا۔

ساتھ ہی اپنے ملک و وطن کی آزادی اور جمہوری حکومت کے قیام کا مقصد بھی اس کے پیش نظر تھا پوری تحریک کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ تحریک کے پیش نظر مسلم اقوام کی فلاح و بہبود کے مقصد کے باوجود اس کے اغراض و مقاصد اور دائرہ

کار میں وطنیت کی روح بھی جلوہ گر تھی مولانا سعید احمد اکبرآبادی لکھتے ہیں کہ

"یہ وطنی تحریک ہے اور اسلامی بھی۔ وطنی اس لیے کہ اس کا تعلق وطن سے تھا۔ اور اسلامی اس لیے کہ مسلمانوں کا کوئی کام غیر اسلامی نہیں ہوتا۔"

پھر وہ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا مذہب عین سیاست ہے اور سیاست عین مذہب ان دونوں میں تفریق ناممکن ہے[۲۲]

حواشی

۱؎ مفتی عزیز الرحمٰن: تذکرہ مشائخ دیوبند، ص ۱۳۷

۲؎ مناظر احسن گیلانی سوانح قاسمی ج ۲ ص ۲۵۰

۳؎ حسین احمد مدنی، نقش حیات ج ۲ ص ۱۴۰

۴؎ پروفیسر سعید احمد اکبرآبادی، برہان ص ۲۵ ستمبر ۱۹۴۸ء

۵؎ پروفیسر سعید احمد اکبرآبادی برہان ص ۷۰ اگست ۱۹۴۸ء

۶؎ حسین احمد مدنی نقش حیات، ج ۲ ص ۱۴۲

۷؎ حسین احمد مدنی۔ نقش حیات، ج ۲ ص ۱۴۶

۸؎ عبید الرحمٰن، تحریک ریشمی رومال ۱۹۰۔

۹؎ مولانا عبدالرحمٰن، ریشمی رومال ص ۱۹۷

۱۰؎ شہباز حسین آج کل دہلی جون ۱۹۶۹ء ص ۴۶-۴۵

۱۱؎ اقبال حسن خان، شیخ الہند مولانا محمود حسن ص ۲۱۷ بحوالہ رولٹ رپورٹ ص ۱۲۶

۱۲؎ عبید اللہ سندھی، کابل میں سات سال ص ۷۶۔

۱۳؎ حسین احمد مدنی، مولانا عبدالرحمٰن: تحریک ریشمی رومال ص ۲۰۰، ۱۹۷

۱۴؎ مولانا عبدالرحمٰن، تحریک ریشمی رومال ص ۲۰۱

۱۵؎ اقبال حسن خان شیخ الہند مولانا محمود حسن ص ۲۱۵ بحوالہ آج کل دہلی جون ۱۹۶۹ء ص ۴۶

۱۶؎ اقبال حسن خان، شیخ الہند مولانا محمود حسن ص ۲۱۶

۱۷؎ عزیز الرحمٰن، تذکرہ مشائخ دیوبند ص ۱۶۱، الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر ص ۱۸

۱۸؎ محمد عثمان فارقلیط، الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر ص ۱۰۹

۱۹؎ الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر ۱۵ فروری ۱۹۵۸ء ص ۱۱۸

۲۰؎ عبدالرحمٰن، تحریک ریشمی رومال ص ۱۷۷۔

۲۱؎ عبید اللہ سندھی، کابل میں سات سال ص ۸۷

۲۲؎ پروفیسر سعید احمد اکبرآبادی، برہان دہلی ص ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۸ء